گوشہء فقہاء

امام طحاوی اور معاصرانہ چشمک کے کرشمے

حضرت مولانا سید محمد قطب الدین حسینی صابری علیہ الرحمۃ (انڈیا)

(قسطِ ہفتم)

(گزشتہ سے پیوستہ) قصہ یہ تھا کہ اس سے پہلے زیادۃ اللہ بن اغلب مشہور افریقی انقلابی کے لئے قاضی حربویہ گواہ بھیج چکے تھے۔جواب کیا دیتے کہلا بھیجا کہ ''اس وقت کچھ سیاسی مجبوریاں اور مصالح تھے،،اس کی تفصیل بھی بیان کی جو طویل داستان ہے۔آخر میں قاضی نے یہ بھی اضافہ کیا کہ تم بھی زیادۃ اللہ بن اغلب کا رنگ اختیار کرتے ہو،اور تم سے بھی ملک کو،حکومت کو وہی اندیشے پیدا ہوجائیں جو اس سے تھے تو اس وقت تمہارے پاس بھی دو گواہوں کو بھیجوں گا،ادھر تو قاضی صاحب نے ماذورائی کو یہ جواب کہلا بھیجا اور چونکہ ان کو مسلسل خبریں پہنچائی جارہی تھیں کہ ماذورائی شریعت کے مسائل کیا جانے در پردہ ابوجعفر طحاوی یہ سارے جوابات سکھارہے ہیں۔جس وقت قاضی صاحب کا قاصد ماذورائی کے پاس جارہا تھا،اس وقت بے ساختہ ان کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا۔ تعس من لقنک...... تباہ و برباد ہو وہ جو تجھ کو سکھا پڑھا رہا ہے۔

امام طحاوی تک قاضی حربویہ کا یہ فقرہ پہونچا دیا گیا۔کہتے ہیں کہ ان کے علم وفضل دین وتقوی کا وہ اتنا احترام کرتے تھے کہ اس دفعہ قاضی کے جواب الجواب کے لئے ماذورائی نے امام طحاوی کے پاس آدمی بھیجا تو انھوں نے صاف انکار کردیا۔ماذورائی کی جو حالت اس وقت مصر میں تھی،اس کا صحیح اندازہ ہم نہیں کرسکتے۔ان ہی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس زمانہ کا یہ ذکر ہے اس وقت مصر میں اصل حکومت ماذورائی ہی کی تھی لیکن ایک عالم کے مقابلہ میں ایک امیر کی امام نے قطعاً پرواہ نہ کی،اور پھر اس کا جواب انھوں نے نہیں بتلایا اور ماذورائی کو آخر عورت۲ کے سامنے جھکنا پڑا۔امام طحاوی کے اس طرز عمل کی یہی خبر قاضی حربویہ کو دی گئی۔میرے خیال میں اگر قاضی حربویہ کے دل میں امام طحاوی کے لئے نئی ہمدردی کا کوئی جدید سبب تلاش کرنا ضروری ہی ہے تو بجائے منصور فقیہ والے واقعہ کے جس میں قاضی حربویہ کے ساتھ طحاوی کی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ظاہر ہوئی تھی جس سے قاضی کو ان سے ہمدردی پیدا ہوتی،لیکن اگر اس واقعہ کو یعنی ماذورائی کے قصہ کو ان کی ہمدردی کا سبب ٹھہرایا جائے تو یہ زیادہ قرین قیاس ہے۔

بہرحال کچھ بھی ہو،قاضی حربویہ نے ''شھود،،کی غبویت سے نفع اٹھانا چاہا اور ان متعسفین گواہوں نے

☆لاتتاثر من القول القبیح والکلام السیی الذی یقال فیک،فانہ یؤذی قائلہ ولا یؤذیک.☆

طحاوی کو غیر عادل قرار دیکر ان کا نام جو دیوان شہود سے کٹوا دیا تھا اور کہا کہ اس رسوائی کا ازالہ کیا جائے۔
جیسا کہ ابن خلکان کے حوالہ سے میں نے نقل کیا ہے کہ اس سال ''الشھود،، کی بڑی جماعت مکہ معظمہ میں مجاور تھی، ابن خلکان نے اس کے بعد لکھا ہے کہ: **فاغتنم ابو عبید غیبتھم**
ابوعبید نے ان کی غیر موجودگی کو غنیمت جانا۔
اور مصر کے دو مشہور نامی آدمی ابوالقاسم المامون اور ابوبکر بن سقلاب جو وہاں موجود تھے ان دونوں کو بلا کر **عدل ابا جعفر المذکور بشھادة ابی القاسم المامون و ابی بکر بن سقلاب** (ص ۱۹) اس نے ابوجعفر کی ابوالقاسم مامون اور ابوبکر بن سقلاب کی گواہی سے تعدیل کی۔
اور یوں رسوائی کا جو داغ امام کے دامن عزت پر حاسدوں نے لگایا تھا۔قاضی حربویہ کی مدد سے یہ لوگ اور غالباً اس کے بعد قدرتی طور پر امام طحاوی اور قاضی حربویہ کے تعلقات میں زیادہ گہرائی پیدا ہوتی چلی گئی اور آخر میں اس کی انتہا یہ تھی کہ جب قاضی حربویہ عہدہ قضا سے ہٹنے کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوئے اور مصر میں املاء کا حلقہ قائم کیا تو امام ابوجعفر طحاوی جن کی عمر اس وقت ۵۷ سے زیادہ تھی، ان کے حلقہ میں بحیثیت شاگرد اور مستفید کے بیٹھنے لگے۔ابن یونس محدث کے حوالہ سے ملحقات کندی میں منقول ہے کہ قاضی حربویہ: **فلما صرف اعلی الناس و کتبوا عنه مجالس وروی عنه ابو بشر الدولابی و ابو جعفر الطحاوی و ابو حفص بن شاھین** ص ۵۲۴
اگرچہ اس زمانہ میں خصوصاً حدیث کی روایت میں عمر کی زیادتی کا چنداں خیال نہیں کیا جاتا تھا۔محدثین تو ایک باب بھی ''روایۃ الاکابر عن الاصاغر،، کا باندھتے ہیں اور یہاں تو گو امام طحاوی بہت معمر ہو چکے تھے لیکن حربویہ سے تو عمر میں پھر بھی تقریباً ۱۴ سال چھوٹے تھے۔نیز حربویہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی بعض سلسلہ ان کی روایتوں کے سنداً بہت عالی تھے یعنی آنحضرت ﷺ اور ان میں وسائط نسبتاً کم تھے۔ظاہر ہے کہ محدثین کے یہاں سند عالی تو کیمیا کا حکم رکھتی ہے۔خود ابن یونس نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ ووقالی حدیثه یعلومن جهته (ملحقات ص ۵۲۴)
اور صرف استاذی وشاگردی نہیں بلکہ جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔امام طحاوی قاضی حربویہ کی جلالت شان اور خاص طبیعت کے باوجود ان سے بہت مانوس اور شوخ ہو گئے تھے، جس کا ثبوت ایک تو اسی مذاکرہ ''تقلید،، سے ہوتا ہے۔نیز طحاوی خود ہی بیان کرتے ہیں کہ حربویہ سے میں بہت کھل کھل کر باتیں کرتا تھا۔اس سلسلہ میں ایک دفعہ ذرا قاضی صاحب طحاوی پر جھلا بھی گئے۔قصہ یہ ہے کہ جب دونوں میں مراسم بے تکلفی کی حد تک پہونچ گئے تو مختلف مسائل کے سلسلہ میں امام طحاوی اپنے اساتذہ کے اقوال وآراء کو بھی بطور سند کے حربویہ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔جیسا کہ گذر چکا طحاوی کے

☆سب اعدائک لک،وشتم حسادک یساوی قیمتک ،لانک اصبحت شیئا مذکورا،ورجلا مھما.☆

استادوں میں ایک عالم ومحدث ابن ابی عمران بھی تھے۔چونکہ ان ہی سے امام مزنی کے یہاں سے ہٹنے کے بعد طحاوی نے زیادہ نفع اٹھایا تھا اس لئے قدرتی طور پر مذاکروں میں وہ ان کے حوالوں سے زیادہ چیزیں بیان کرتے تھے۔غالبًا قاضی حربویہ کو اپنے نظریات کے مقابلہ میں ابن ابی عمران کے قول کا پیش کرنا کچھ گراں گزرتا تھا،مگر طحاوی کے لحاظ سے اپنے اس جذبہ کا اظہار نہیں کرتے تھے۔مگر آخر کب تک ایک دن جب گفتگو کی مجلس گرم تھی،حسب دستور اس وقت بھی مسلسل طحاوی قال ابن ابی عمران وکذاقال ابن عمران کہتے جارہے تھے،قاضی کے لئے آخر یہ ان کا طرز عمل ناقابل برداشت ہوگیا،اور برہم ہوکر بولے:

الی کم تقول ابن ابی عمر ان وقدرایت هذاالرجل بالعراق

کب تک تم ابن ابی عمران بولتے رہو گے میں ان صاحب کو عراق میں دیکھ چکا ہوں۔

مطلب یہ تھا کہ بھائی آپ کے استاد ابن عمران کو میں عراق میں دیکھ چکا ہوں۔وہاں تو وہ معمولی آدمی تھا اور اس کے بعد تو قاضی کے زبان سے ایک ڈھلا ہوا یہ فقرہ نکل پڑا۔ان البغاث بارضکم تستنسر تمہاری سرزمین میں تو ایسی چڑیا جس کا کوئی شکار نہیں کرتا یہاں پہونچ کر گدھ بن جاتی ہے۔

امام طحاوی کا بیان ہے کہ یہ فقرہ قاضی حربویہ کی زبان سے کچھ اس طرح بے ساختہ نکلا کہ

فصارت هذه الكلمةبمصر مثلاً (ملحقات ص۵۲۹) یہ کلمہ مصر میں ضرب المثل بن گیا۔

اور شاید اب بھی اس کا شمار عربی کی مثل السائر میں ہو،گویا حربویہ کی بدولت ایک تو تقلید والا فقرہ اور دوسرے یہ دونوں ضرب المثل بن گئے۔

قاضی حربویہ کا ابن عمران کے متعلق ایک مدت کے ضبط کے بعد اتنی بات کہنی کوئی معمولی بات نہ تھی۔جس شخص کے حیا اور شرم کی یہ حالت ہو جیسا کہ بیان کر آیا ہوں کہ کس نے کھاتے پیتے وضو کرتے ان کو نہیں دیکھا،حد یہ تھی کہ خادم کو بھی بلانے کا ایک خاص طریقہ تھا۔ابن زولاق ہی کی روایت ہے کہ قاضی ابن الحداد مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے قاضی حربویہ کے گھر کے لوگوں سے پوچھا کہ جب کوئی ان کو کھاتے پیتے نہیں دیکھتا تو کیا نوکر بھی نہیں دیکھتے،قاضی آخر کرتے کیا ہیں۔ان کے گھر کے لوگوں نے بیان کیا کہ قاضی کے پاس کوئی خاص برتن تھا جو سرپوش سے چھپا رہتا تھا اس میں قاضی صاحب کے کھانے پینے کی چیزیں رہتی تھیں۔خادم کمرے میں اس کو رکھ آتا،قاضی اندر چلے جاتے جب فارغ ہوتے تو آواز دیکر خادم کو نہیں بلاتے بلکہ

فاذا فرغ باكل نقر المائدةباصبعه فيدخل العلام فيرفع المائدة وياتى بالطشت ويخرج...... جب وہ کھانے سے فارغ ہوتے تو اپنی انگلی دسترخوان پر ٹھوکتے تو غلام جاتا اور دسترخوان

کو اٹھالیتا اور طشت لے لیتا اور نکل جاتا۔

قاضی تنہائی میں جب اچھی طرح ہاتھ منہ دھو لیتے تو پھر وہی وینقر الطشت فیدخل الغلام فیحمل الطشت ...... طشت کوٹھو نکتے تو غلام داخل ہوتا اور طشت کو اٹھالیتا۔

یہ تو کھانے پینے کے آداب تھے، وضو وغسل وغیرہ کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ

وکذایصنع فی الوضوء اور وضوء میں بھی ایسا ہی کرتے۔

یعنی وہی آفتابہ یالوٹا جو برتن ہو اس کو ٹھوکر سے بجا کر نوکر بلایا جاتا اور رخصت کیا جاتا، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس کے شرم کا یہ حال ہو، کہ خادم کے بلانے میں بھی حیا آتی ہو، طحاوی سے اتنی گفتگو بھی انہوں نے گویا بہت زیادہ تحمل اور ضبط کے بعد کی ہوگی۔ اور اس سے امام طحاوی کی جو عظمت ان کے قلب میں تھی اس کا بھی پتہ چلتا ہے۔ قاضی حربویہ عہدہ قضاء سے جدا ہونے کے بعد کچھ دن اور مصر میں رہے۔ پھر بغداد ہی واپس ہوگئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد چونکہ یوں بھی امام طحاوی کی عمر زیادہ ہوگئی تھی اور قاضی حربویہ کی قدر افزائیوں نے ان کی عظمت وجلالت کو اور دوبالا کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاضی حربویہ کے جانے کے بعد مصر میں امام طحاوی کے ہم پلہ شاید ہی گنتی کے دو تین آدمی رہ گئے ہوں۔ عام طور پر اب صرف عوام ہی نہیں بلکہ خواص میں بھی ان کی بڑی آؤ بھگت ہونے لگی اور رفتہ رفتہ مصر ہی نہیں بلکہ بغداد دار السلطنت میں بھی ان کا شمار مصر کے ارباب حل وعقد اور چنیدہ لوگوں میں ہونے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ قاضی حربویہ کی جگہ جب بغداد سے خاص اسباب کے تحت ابن مکرم نامی ایک نوجوان ناتجربہ کار عالم قاضی مصر بنا کر بھیجا گیا تو اس کے ساتھ خلیفہ وقت کے وزیر ابوالحسین ابن الفرات نے ایک مراسلہ بھی اس لئے جاری کیا کہ قاضی تو ابن مکرم ہی رہیں گے لیکن چونکہ ابھی نوآموز ہیں اس لئے نیابت میں کسی پختہ کار عالم کا بھی تقرر کیا جائے۔ ابن الفرات نے اس مراسلہ کو مصر کے چار سربرآوردہ لوگوں کے نام جاری کیا تھا۔ ان چاروں میں بیان کیا جاتا ہے کہ

منهم ابو جعفر الطحاوی ان یختاروالابن مکرم رجلافیتسلم القضاء من ابی عبید ویحکم نیابة عن ابن مکرم (ملحقات ص ۵۳۲)

ان میں ابوجعفر طحاوی بھی تھے کہ وہ سب ابن مکرم کے لئے ایک شخص کا انتخاب کریں اور وہ ابن عبید سے قضاء کو حاصل کرے اور ابن مکرم کے نائب کی حیثیت سے فیصلے کیا کرے۔

خیر ان چاروں نے مل کر نائب قاضی کے لئے جس کا انتخاب کیا اور جس طریقہ سے کیا، یہ ایک طویل قصہ ہے۔ مجھے تو صرف امام طحاوی کے اس مقام اور منزلت کو بتانا ہے جوان کو مصر میں اب حاصل ہوگئی تھی کہ عباسی خلافت کا وزیر بغداد سے ان پر اعتماد کرتا تھا اور یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے۔ جب قاضی حربویہ ابھی

مصر میں ہی ہیں۔جس کے یہ معنی ہیں کہ ممالک محروسہ عباسیہ میں ان کی شہرت قاضی حربویہ کے عہد ہی میں ہو چکی تھی۔

گزشتہ بالا واقعہ سے ایک نتیجہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے اور میرے خیال کی تائید ہوتی ہے کہ محمد بن عبدہ کا سکریڑی ہونے کے بعد پھر امام طحاوی نے حکومت سے ملازمت اور عہدہ داری کے تعلق نہ پیدا کرنے کا ارادہ قطعی طور پر طے کر دیا تھا۔ورنہ ابن الفرات وزیر خلافت عباسیہ نے جہاں ان کو نائب قاضی کے انتخاب کے لئے مراسلہ بھیجا تھا، یہی کیوں نہیں کیا کہ خود ان ہی کو نائب قاضی بنا دیا ہوتا۔اس لئے کہ بغداد تک طحاوی کی جو شہرت پہونچی ہوگی ظاہر ہے کہ وہ دولت وامارت تو ہوگی نہیں بیچارے ایسے کمان کے امیر تھے،وہی چند سال ان کو محمد بن عبدہ کے ساتھ کمانے کا موقع ملا۔ورنہ اپنی جائیداد ان کی بظاہر وہی تھی جو چچا سے بٹوارہ کے بعد ان کو قاضی محمد بن عبدہ نے دلوادی تھی۔اس زمانہ میں اور وہ بھی ارض فرعون میں کسی معمولی تقسیم شدہ ''ربع،، کی بدولت آدمی کا شمار امیروں میں کیسے ہو سکتا تھا،لامحالہ یہی ماننا پڑے گا کہ علم وفضل نے ان کے نام کو اونچا کیا تھا اور جب علم وفضل ان کا مسلم تھا تو نائب قاضی ہونے کی صلاحیت ان سے زیادہ اور کس میں ہو سکتی تھی۔خصوصاً جب قاضی بکار اور قاضی محمد بن عبدہ دو دو زبردست قاضیوں کے سکریٹری کا کام،ایک زمانہ تک یہ انجام دے چکے تھے۔نیز اگر ان کی خواہش ملازمت کی ہوتی تو جب ان کو بھی بغداد سے نیابت کے انتخاب کا اختیار دیا گیا تھا تو اپنے رفقاء کار کو بہ آسانی ہموار کر کے خود اس عہدہ پر قبضہ کر سکتے تھے۔بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ اس ملازمت اور اس کے بعد جو تلخ تجربات حکومت کے عہدہ کے ان کو دو دو دفعہ ہو چکے تھے اس نے پھر اس چکھی ہوئی چیز کے نگلنے پر آمادہ ہونے نہ دیا(**ولا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین**)مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا۔اور یہ تو ایک سے زیادہ مرتبہ سوراخ سے ڈسے جا چکے تھے۔

اور غالبًا منجملہ اور وجوہ کے ان کی شان استغناء بھی آئندہ ان کی عظمت پر اثر انداز ہوئی۔ایک بات البتہ اس سلسلہ میں قابل ذکر ہے کہ جن چار آدمیوں کی کمیٹی کے سپرد ابن مکرم قاضی کی نیابت کا مسئلہ کیا گیا تھا،تو جیسا کہ ابن یونس نے لکھا ہے کہ:

فارسل الی اربعة من اهل مصر ان یختاروا من اهل مصر من ینوب عنه فاختاروا اباالذکر (ص ۵۳۳)

اہل مصر کے چار حضرات کو فرمان بھیجا گیا کہ اہل مصر میں سے کسی ایسے شخص کا انتخاب کریں جو اس کی نیابت کرے پس انہوں نے ابوالذکر کا انتخاب کیا۔

یہ ابوالذکر حالانکہ مالکی المذہب تھے اور ابن مکرم اگر چہ جوان تھا لیکن حنفی مذہب رکھتا تھا۔علامہ طحاوی

اگر متعصب آدمی ہوتے تو اتنا ضرور کر سکتے تھے کہ بجائے مالکی کے کسی حنفی کے تقرر کرانے کی کوشش کرتے۔ خصوصاً ایک بڑا پوائنٹ ان کا یہ ہوسکتا تھا کہ جب اصل قاضی کا مذہب حنفی ہے تو نائب کو بھی حنفی ہی ہونا چاہئے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور باوجود مالکی ہونے کے ابوالذکر محمد بن یحییٰ کا ہی انتخاب کیا۔

مگر اس رواداری کا اثر یہ ہوا کہ ابوالذکر کو بھی امام طحاوی کے اس سلوک کا لحاظ کرنا پڑا۔ خصوصا اس مشہور مسئلہ میں جس کا ذکر منصور فقیہ کے سلسلہ میں گذر چکا یعنی تین طلاق والی عورت کو نان ونفقہ ملنا چاہئے۔ چونکہ یہ بڑا اہم تاریخی ''خلافیہ،، تھا۔ اور احناف اس کو قرآن وسنت واجماع سب ہی کے مخالف خیال کرتے تھے۔ اس لئے ابوالذکر باوجود مالکی ہونے کے اس مسئلہ میں حنفیوں کے مسلک کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے۔ مورخین نے ان کے اس طرز عمل کو لکھتے ہوئے اگر چہ وجہ یہ لکھی ہے کہ **کان یحکم للمطلقت ثلاثا بالسکنی والنفقه عملاً بمذهب مستنبیه تارکا لمذهبه فی ذالک (ص ۵۳۳)**

مطلقہ ثلثہ کے لئے وہ سکنی اور نفقہ کا حکم دیتے تھے۔ اس مسئلہ میں اپنے مذہب کو چھوڑ کر یعنی ابوالذکر اس میں ابن مکرم کی وجہ سے ایسا کرتے تھے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں امام طحاوی کی رواداری اور ان کے علمی اثر کو بھی دخل تھا۔

بہر حال اب واقعی ابوجعفر طحاوی مصر میں امام طحاوی کے منصب پر پہونچ گئے تھے۔ جبکہ کسی دور میں مصر ہی میں ان کا حال یہ تھا کہ قاضیوں کی ماتحتی میں کتابت کا کام کیا کرتے تھے۔ محمد بن عبدہ قاضی ان کو ایک خشک لکڑی اور بانس سے کم مرتبہ قرار دیتے ہوئے ڈانٹتا اور بیچارے خاموش ہوجاتے اور اب اس مصر میں حق تعالی کی شان دیکھئے ان کے سامنے وہ دن آیا کہ ابن مکرم کے بعد جب مصر کے قاضی عبدالرحمٰن بن اسحاق الجوہر بغداد سے مقرر ہوکر آئے۔ یہ شخص علاوہ فقیہ ومحدث ہونے (اور کیسا محدث کہ مشہور طبرانی صاحب معاجم فی الحدیث بھی ان کے تلامذہ میں تھے۔) کے فن حساب میں بھی جس سے علماء کو کم لگاؤ ہوتا ہے یہ ماہرانہ واقفیت رکھتے تھے بلکہ اس فن میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی متعدد تصنیفین بھی ہیں، ابن زولاق نے لکھا ہے:

کان عبدالرحمن بن اسحاق عاقلاً فقیهاً حاسباً فهماً له فی الحساب تصنیف وافر (ص ۵۳۶) عبدالرحمٰن بن اسحٰق سمجھدار اور فقیہ اور فن حساب کے بھی ماہر تھے اور حساب میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔

مگر باوجود اس جلالت قدر اور مصر کے قاضی ہونے کے لکھا ہے کہ **کان عبدالرحمن یتادب مع الطحاوی جداً۔** عبدالرحمٰن امام طحاوی کے ساتھ بہت زیادہ ادب کا برتاؤ کرتے تھے۔

لفظ ''جداً،، خود اپنے اندر جو قوت رکھتا ہے ظاہر ہے۔ انتہا یہ تھی کہ مصر کے قضاۃ کا دستور تھا کہ سواری

پر جب وہ سوار ہولے تے تھے۔تب ان کے سامنے کوئی دوسرا سوار ہو سکتا تھا۔یہی قاضیوں کا پرانا دستور چلا آتا تھا لیکن لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق القاضی کا یہ حال تھا کہ لایرکب حتی یرکب الطحاوی ...... امام طحاوی جب تک سوار نہ ہوتے وہ سوار نہیں ہوتے تھے۔اور اس پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنے اجلاس میں جب ہر طرح کے لوگوں سے بھرا ہوتا۔علانیہ عبدالرحمٰن بن اسحاق طحاوی کے متعلق یہ الفاظ کہتا: هو عالمنا وهو قدوتنا ...... وہ ہمارے عالم ہیں اور ہمارے لئے اسوہ ہیں۔

اور اسی کے ساتھ لوگوں کے اس تعجب کے ازالہ کے لئے کہ قاضی مصر ہو کر ایک غیر سرکاری آدمی کے متعلق اس قسم کے الفاظ کیوں استعمال کرتے ہیں۔قاضی عبدالرحمٰن کہتے ما القضاء اقل من ان افتخر به علی ابی جعفر (ملحقات ص ۵۳۶)

ترجمہ: عہدہ قضاء میرے ابو جعفر پر فخر کرنے سے بڑھ کر نہیں ہے۔

اور عبدالرحمٰن بن اسحاق کے متعلق تو شاید یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسلکاً چونکہ حنفی تھے اور امام طحاوی کی ساری عمر جو اب قریب ۸۰ کے پہونچ چکی تھی، حنفی مذہب کی تائید میں ہی گذری تھی۔بیسیوں کتابیں جن کا ذکر آگے آتا ہے وہ اس وقت لکھ چکے تھے اور اسلامی ممالک کے شرق سے غرب تک پھیل چکی تھیں۔ایسی صورت میں ایک حنفی عالم جو عمر میں ان سے چھوٹا ہو اگر ان کی عزت کرتا تھا تو چنداں محل تعجب نہیں۔خود عبدالرحمٰن بن اسحاق کبھی کبھی اس کا اظہار بھی کیا کرتے تھے کہ میں ان کی عزت اس لئے بھی کرتا ہوں کہ هو اسن منی باحدی عشرة سنة (ملحقات ص ۵۳۶) مجھ سے عمر میں گیارہ سال بڑے تھے۔

لیکن جب عبدالرحمٰن بن اسحاق کا دور ختم ہو گیا اور ایک مالکی قاضی احمد بن ابراہیم کا مصر کی قضاءت پر تقرر ہوا تو خیال ہو سکتا تھا کہ اب شاید طحاوی کی اتنی عظمت وہ نہ کریں گے مگر مصر والوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ احمد بن ابراہیم نے تو عبدالرحمٰن قاضی سے بھی دو قدم طحاوی کے احترام میں آگے بڑھا دیا۔یعنی علاوہ معمولی تعظیم وتکریم کے وہ امام طحاوی کے باضابطہ شاگرد بن گئے اور باوجود قضاء مصر کے جلیل عہدہ پر ہونے کے ان کے علم سے جس کی واقعی نظیر اس وقت اگر دنیا میں نہیں تو مصر میں بھی موجود نہ تھی، وہ استفادہ کرنے سے نہیں شرماتے تھے۔حالانکہ وہ جس قسم کے شرمیلے آدمی تھے اس کا حال آگے آتا ہے اور صرف چند دنوں کے لئے شاگرد نہیں بلکہ جیسا کہ ابن زولاق کا بیان ہے، جب تک احمد بن ابراہیم مصر کے قاضی رہے۔امام طحاوی سے پڑھتے رہے۔ابن زولاق کے الفاظ یہ ہیں:

وکان احمد بن ابراهیم فی طول ولائته یتردد الی ابی جعفر الطحاوی یسمع علیه تصانیفه بقراة الحسن بن عبدالرحمن وهو یومئذ قاضی مصر ص ۵۳۸)

احمد بن ابراہیم اپنے اقتدار کے تمام زمانے میں ابو جعفر طحاوی کے پاس آتے جاتے اور ان کی تصانیف کو ان کے پاس جو حسن بن عبدالرحمٰن پڑھتے تھے اس کو سنتے اور اس زمانے میں وہ مصر کے قاضی تھے۔

☆علیک بالجود من صدر الجواد منشرح وباله واسع والبخیل ضیق الصدر مظلم القلب مکدر الخاطر☆

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی اپنی کتابوں کا درس خود اپنے زمانہ میں دینے لگے تھے اور صرف حنفی مذہب کے علماء نہیں بلکہ دوسرے مسالک کے اہل علم بھی ان کی کتابوں سے علما استفادہ اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ قاضی احمد بن ابراہیم کوئی معمولی آدمی تھے، اپنے عہد کے جلیل القدر محدثین میں ان کا شمار ہے۔ ابراہیم الحربی جیسے محدثین سے روایت کرتے تھے۔ ابن یونس نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ **حدث عن اسمعیل بن اسحاق و خلق کثیر من اهل بغداد و کان فقیهاً کثیر الحدیث** (ص ۵۳۸) اسمعیل بن اسحاق اور اہل بغداد کی ایک جماعت ان سے روایت کرتی تھی اور وہ فقیہ اور کثیر الحدیث تھے۔

مگر باوجود اس عظمت واقتدار کے امام طحاوی کے علم صادق نے نہ پہلے نہ درمیان میں نہ اس زمانہ میں ان کے اندر کسی ''علمی خودی،، یا'' کبر،، کو پیدا ہونے دیا، دوسرے ان کی جتنی بھی عظمت وعزت کرتے ہوں، لیکن اپنے کو وہ ہمیشہ مصر کے دیہات کا ایک دیہاتی ہی سمجھتے رہے۔ یہی احمد بن ابراہیم جیسا کہ گذر چکا کہ ان کے شاگرد تھے اور کیسے شاگرد کہ گھر پر بلا کر ان سے نہیں پڑھتے بلکہ روزانہ خود طحاوی کے حلقہ میں عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ان کے درس کو سنتے تھے لیکن باوجود اس کے خود امام طحاوی کا حال یہ تھا کہ ایک دن حسب معمول حلقہ درس میں بیٹھے تھے۔ احمد بن ابراہیم بھی شاگردوں کی صف میں آ کر بیٹھ گئے۔ درس ہو رہا تھا کہ اتنے میں اسوان جو مصر کا مشہور مقام ہے۔ وہاں کا کوئی آدمی آیا اور اس نے کوئی سوال کیا۔ ظاہر ہے کہ سوال امام طحاوی سے تھا، لیکن جس نے اپنے کو کبھی کچھ نہیں سمجھا۔ اپنی اسی ۸۰ سال کی عمر تک بھی اپنے کو وہ وہی سمجھتا رہا۔ امام طحاوی نے یہ دیکھ کر کہ کسی حیثیت سے اس مجلس میں بہر حال مصر کا قاضی اعظم بیٹھا ہوا ہے۔ مفتی الدیار المصریۃ کا عہدہ اسی کا ہے سائل کا جواب تو دینے لگے، مگر الفاظ یہ تھے۔ **مذهب القاضی ایده الله کذا و کذا**...... قاضی صاحب کا مذہب اللہ ان کی تائید کرے ایسا ایسا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا محمد بن عبدہ قاضی کے سکریٹری ہونے کے وقت میں ایک معمولی کاتب ہونے کی حیثیت سے جس طرح جواب دیا کرتے تھے۔ آج بھی ان کے نفس کا شعور یہی ہے۔ مگر سائل بھی مفصلات کا ایک دہقانی آدمی تھا۔ بوڑھے عالم کی اس کسرنفسی وتواضع کو دیکھ کر اس سے صبر نہ ہو سکا اور جھلا کر بولا۔ **ماجئت الی القاضی انما جئت الیک**...... میں قاضی کے پاس نہیں آیا میں تو آپ کے پاس آیا ہوں۔

اس پر احمد بن ابراہیم قاضی جو کم سخن اور حیا پرور آدمی تھے۔ حتی کہ ابن زولاق نے لکھا ہے **لشدة حیائه لایفهم اکثر کلامه فجرت بذالک امور.**

ان کی شدت حیا کی وجہ سے ان کا اکثر کلام سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اس کی وجہ سے بہت باتیں پیش آئیں۔

☆ابسط وجهک للناس تکسب ودهم ،والن لهم الکلام یحبوک ،وتواضع لهم یجلوک.☆

یہ بھی ان ہی کا بیان ہے کہ احمد جب حج کے لئے گئے تو لبیک اتنی پست آواز سے کہتے کہ کان النساء یرفعن اصواتھن بالتلبیة اجھر منه لشدة خجله .
عورتیں جو لبیک پڑھتی تھی تو وہ ان کی آواز سے بھی بلند تھی یہ ان کی شدت حیا کی وجہ سے تھا۔مگر باوجود اس کم سخنی کے ان سے بھی ضبط نہ ہوسکا اور امام کے اس ازحد گزشتہ تواضع کو دیکھ کر اسوانی کو مخاطب کر کے بولے (یاھذا ھو کماقلت) اے آدمی تم جیسے کہہ رہے وہ ویسا ہی ہوگا۔
اور حکم دیا کہ پھر اپنے سوال کو دہراؤ اس نے دہرایا تب امام کی طرف احمد بن ابراہیم مخاطب ہوئے اور ان کی ''ایدک اللہ،، کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا......افته ایدک الله برائیک
اللہ آپ کی تائید کرے آپ اپنے مذہب کے مطابق فتوی دیجئے۔
مگر اس پر بھی امام طحاوی کی فطری افتاد کا تقاضہ نہ گیا اور پھر قاضی صاحب کی طرف متوجہ ہوکر بولے اذااذن القاضی ایده الله افته...... جب قاضی نے حکم دیا ہے اللہ ان کی مدد کرے تو میں فتوی دیتا ہوں......
اس تمہید، اور اظہار ادب کے بعد تب انھوں نے اس اسوانی سائل کا جواب دیا، ابن زولاق نے اس واقعہ کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے کہ
کان ذالک یعدمن ادب الطحاوی وفضله (ص ۵۳۸) یہ امام طحاوی کے ادب اور ان کی فضیلت شان کا حال تھا۔
امام طحاوی کے ادب شناس، قدر فرما شاگرد احمد بن ابراہیم مالکی مصر کے قاضی سنہ ۳۱۷ تک رہے کہ زمانے نے پھر پلٹا کھایا اور اب جبکہ امام کی عمر اسی ۸۰ سے بھی متجاوز ہوچکی ہے۔مصر کے ولایت قضاء پر پھر مصیبت آئی۔ایک شخص عبداللہ نامی جو ابن زبر کے نام سے مشہور تھا۔اپنی چالاکیوں اور خلیفہ وقت مقتدر باللہ کا وزیر علی بن عیسی اس کی حالت سے واقف تھا۔اس کو خود جب دمشق کے دورہ پر گیا ہوا تھا۔ اس شخص کا تجربہ ہوچکا تھا، دمشق کا اس زمانہ میں ابن زبر قاضی تھا، پبلک اس سے تنگ تھی، لوگوں کا وفد وزیر کے پاس اس کی شکایت کرتا ہوا پہونچا، علی بن عیسی نے قاضی ابن زبر سے پوچھا لوگ کیا کہہ رہے ہیں، بولا کہ گرانی کی شکایت کرر ہے ہیں۔علی بن عیسی کو اس کی کھلی شرارت پر سخت غصہ تھا۔اس وقت کچھ نہیں بولا اور بغداد پہونچ کر اس کی موقوفی کا حکم بھیج دیا۔ابن زبر آنے کو تو بغداد آ گیا، مگر ایک ایسی چال چل گیا، کہ علی بن عیسی کی وزارت ہی ختم ہوگئی، ایک خاص ذریعہ سے مقتدر تک ایک تحریر ابن زبر نے پہونچائی۔جو ایک خراسانی مسافر کی طرف سے تھی، جس میں اس خراسانی مسافر کی طرف سے ظاہر کیا گیا تھا کہ تین دن سے میں مسلسل خواب میں حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھ رہا ہوں۔وہ ایک عمارت بناتے ہیں لیکن ایک شخص اٹھ کر اس کو ڈھا دیتا ہے۔میں نے حضرت عباس سے عرض کیا کہ یا عم رسول اللہ

یہ آپ کوکون ستارہا ہے۔فرمایا کہ علی بن عیسی وزیر، میں اپنے لڑکے کے لئے عمارت بناتا ہوں اوروہ گرادیتا ہے۔ایک ایسی بے لاگ ترکیب سے یہ تحریر سادہ لوح مقتدر تک پہونچی کہ مقتدر چیخ اٹھا

ان هذا لرويا صحيحة يصرف علي بن عيسى ويقبض عليه

یہ سچا خواب ہے۔علی بن عیسی کو ہٹادیا جائے اوراس کوگرفتار کرلیا جائے

وزیرعلی بن عیسی حیران تھا،مگرکیا کرتااورخواب کا جواب کیادیتا۔علی بن عیسی ہی ابن زبر کی راہ کا کانٹا تھا،اس کاہٹنا تھا کہ: فماجاء آخر النهار حتى وافى ومعه عهدقضامصرودمشق (ملحقات ص ۱ ۵۴)

سوء اتفاق کے امام طحاوی کی زندگی کی آخری گھڑیوں میں مصر کا قاضی ابن زبر جیسا چالباز، مکارآدمی مقرر ہوکرآیا،آنے کے ساتھ ملک میں رشوتوں اورمظالم کا بازارگرم ہوگیا ابن زولاق نے لکھا ہے کہ

كان عارفاباخذ الدرهم والدنانير والهدايا

وہ دراہم دنانیراورہدایا لینے کے طریقوں سے واقف تھا۔

اگر چہ اسی کے ساتھ اتنی تعریف بھی کی ہے کہ

وكان مع ذالك لايقبض درهما ولايضم هدية حتى يقضى حاجة صاحبها

وہ اس کے باوجود جب تک ضرورت مند کی ضرورت پوری نہ کرے اس سے کوئی درہم یاہدایہ نہیں لیتا تھا۔

گویا یہ بھی ابن زبر کی سب سے بڑی منقبت تھی کہ کام تو لوگوں کے چلادیتا تھا،خواہ رشوت لے کرہی کیوں نہ ہو، چہ خوش؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نجس سیاہ سینہ قاضی کے عہد میں امام طحاوی گوشہ گیر ہوگئے اورحکومت سے اتنے کنارہ کش رہنے لگے کہ پہلے قضاۃ سے کچھ مراسم سوال وجواب علمی مذاکرات کے جورہتے تھے،اس سے بھی دست بردار ہوگئے،غالباً یہی وجہ ہے،کہ ایک دفعہ ابن زبر نے شہر کے سب سے بڑے عالم خیال کرکے کوئی استفتاء امام کے پاس بھیجا،لیکن لکھتے ہیں کہ فلم يجب فيها جواباً شافياً...... اس مسئلہ میں کوئی شافی جواب نہیں دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب کہ میں تم سے تعلقات رکھنا نہیں چاہتا۔مصلحت کے خلاف تھا،اسی لئے کوئی ٹالنے کی بات کرکے قاصد کوآپ نے واپس کردیا۔ابن زولاق کی ایک مبہم سی عبارت اس کے بعد ہے۔بظاہراس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام سے ابن زبر نے دوبارہ دریافت کرایا اورجواب پرمصر ہوالیکن اس وقت بھی امام نے اعراض ہی کیا ابن زولاق کے الفاظ یہ ہیں:

ان الشيخ تبقى هذاالقاضى والالبادره

یعنی الشیخ (امام طحاوی)اس قاضی سے بچتے تھے اگرایسا نہ ہوتا تو جواب میں ضرور سبقت کرتے (علم

☆من اعظم ابواب السعادة دعاء الوالدين ،فاغتنمه ببرهما،ليكون لک دعاؤهم حصنا حصينا من كل مكروه. ☆

کوآخر کیوں چھپاتے مگر''الا،، کے لفظ کو بڑھا کر مجھے عبارت کی تصحیح کرنی پڑی ہے۔قیاس ہے کہ نسخہ غلط ہے،یا کوئی اور مطلب ہو،جو بالفعل میری سمجھ میں نہیں آیا۔

اسی ابن زبر کے زمانہ میں ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔یعنی قاضی محمد بن عبدہ جن کے امام طحاوی سکریٹری تھے۔ان کے زمانہ کا کوئی طے شدہ مقدمہ تھا،اس کے متعلق ابن زبر کے زمانہ میں بھی کوئی معاملہ چھیڑا،ضرورت اس کی ہوئی کہ امام طحاوی اس مقدمہ میں خود محکمہ قضاء میں حاضر ہوکر اپنا بیان دیں،ابن زبر نے ان کو بلا بھیجا۔

فرکب الیہ وتشھد عندہ ...... سوار ہوکر اس کے پاس گئے اور اس کے پاس گواہی دیئے۔

آگے جس واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن زبر کی امام طحاوی سے یہ پہلی ملاقات تھی۔اور فتوی جو اس نے دریافت کرایا تھا وہ محض ان کی علمی شہرت دجلالت کی بنیاد پر تھا۔خود براہ راست نہ قاضی ان سے ملا اور امام تو اس سے خود کیا ملتے،بہر حال جب اظہار ہوا تو قاضی ابن زبر امام کی طرف متوجہ ہوا اور جیسا کہ چاہئے،ان کے ساتھ اس نے ملاطفت اور تکریمی برتاؤ کیا،اس سلسلہ میں امام کو خوش کرنے کے لئے اور کچھ اپنی حدیث دانی کا اثر قائم کرنے کے لئے بولا کہ

حدیث کنت کتبتہ عن رجل عنک منذ ثلاثین سنۃ

میں ایک صاحب سے جو آپ سے تیس سال سے روایت کرتے ہیں ایک حدیث لکھا تھا۔مطلب یہ تھا کہ جناب والا سے نیاز تو آج حاصل ہوا۔لیکن میری عقیدت آپ سے پرانی ہے بلکہ گونہ آپ کا شاگرد ہوں،یعنی آپ کے کسی شاگرد کے ذریعہ سے میں فلاں حدیث روایت کرتا ہوں،خدا جانے ابن زبر کا یہ دعوی صحیح بھی تھا،یا صرف امام کو مسرور اور کچھ اپنے علمی ودینی شوق کے ثبوت میں یہ لطیفہ اس نے گھڑ لیا تھا،کیونکہ محدثین ابن زبر کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی یہ عام عادت تھی،کہ کسی ایک حدیث کے متن کو کاٹ کر اس میں دوسری سند لگادیا کرتا تھا اور یوں حدیثوں میں جعل بنایا کرتا تھا۔امام الدارقطنی نے اپنا چشم دید واقعہ اس شخص کے متعلق یہ درج کیا ہے کہ میں ابن زبر کے پاس حاضر ہوا،مگر اس وقت میری عمر کم تھی یعنی

وانا اذذاک حدث میں اس وقت کم عمر تھا۔

فرماتے ہیں،کہ میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک کاتب بیٹھا ہوا ہے،اور ابن زبر اس کو حدیث املا کرا رہا ہے۔مگر طریقہ لکھانے کا عجب تھا۔**یملی الحدیث من جزء والمتن من جزء آخر**

حدیث کو ایک جزو سے اور متن ایک دوسرے جز سے لکھایا کرتے تھے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں،کہ چونکہ میں نو عمر تھا۔ **فظن انی لاانتبہ لذالک**

☆اقبل الناس علی ماھم علیہ،وسامح مایلزمنھم ،واعلم ان ھذہ ھی سنۃاللہ فی الناس والحیاۃ.☆

اور وہ یہ خیال کیا کہ میں اس کو نہیں سمجھ رہا ہوں۔

ایسی صورت میں کیا عجب ہے کہ امام طحاوی کو دیکھ کر اس نے ان کے کسی شاگرد کی طرف اس حدیث کو منسوب کر کے روایت کر دیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام سے ابن زبر نے پھر یہ درخواست کی کہ یوں تو حضور کا میں بالواسطہ شاگرد ہی ہوں، لیکن اگر جناب والا براہ راست تلمذ کے شرف سے سرفراز فرمائیں تو بندہ نوازی ہوگی۔ بوڑھے امام کا دل حالانکہ اس کمینہ فطرت بدنام کنندہ اسلام وامت اسلامیہ سے چڑھا ہوا تھا۔ حالات سب معلوم تھے۔ لیکن مروۃً کہا جاتا ہے فحدثہ بہ کہ امام نے اس کو وہ حدیث بیان کر دی (جاری ہے)

حواشی

ا۔ (ابن زولاق کے لفظ میں کہ کان محمد بن علی ھو امیر البلدفی الحقیقۃ ص ۵۲۷)

۲۔ (کہتے ہیں کہ جب ماذورائی سے جواب نہ ملا تو حربویہ کو غصہ میں اس نے پیغام بھیج دیا کہ ''ما احضر فلیصنع ماشاء''، میں ان کے اجلاس میں نہیں حاضر ہونگا۔ ان کا جو جی چاہے کریں قاضی صاحب نے عورت کو حکم دیا کہ جس وقت بازار میں جا رہا ہو، اس کی سواری کی لگام تھام کر کھڑی ہو جائے، اس نے یہی کیا۔ ماذورائی کی یہ رسوائی تھی، بیچ میں کچھ لوگوں نے بڑھ کر معاملہ کو سمجھا دیا، عورت کو روپیے دلوا دیئے ۱۲)

جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل

ترتیب وتدوین: ڈاکٹر عبدالستار ابوغدہ اردو ترجمہ۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

نظر ثانی واشاعت: ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

450 صفحات، قیمت 300 روپے عمدہ ایڈیشن

ناشر: ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی

پوسٹ بکس نمبر 17777 گلشن اقبال کراچی